بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ آغاز

* قیام امن وسلامتی کا مسئلہ۔
* کارِ اصلاح کا نقطہ آغاز! دو تبدیلیاں۔

زوال پذیر معاشرہ میں بدامنی، قتل و غارت، چوری، ڈکیتی، اغوا، خیانت، ملاوٹ، رشوت، جبر، ظلم اور اسی نوع کے دوسرے معائب کا پایا جانا نہ صرف مستبعد نہیں بلکہ یہ رذالتیں، دلیل ہیں اس امر کی کہ معاشرہ زوال پذیر ہے اور قوم روبہ انحطاط ہے اور اس دلیل کا جواب، قوم کی مالی فروتنی، کارخانہ داری، اُدھار لے کر سات سات، نو نو منزلہ عمارتوں کی تعمیر سے نہیں دیا جاسکتا۔ اس لیے کہ قومیں اگر بلڈنگوں کی تعمیرات، مارکیٹوں کی رونق اور کارخانہ داروں کے وسیع جال بننے سے عروج و ارتقاء حاصل کرتی ہوتیں تو آج امریکہ، روس اور جاپان کی جگہ عادؔ، ثمودؔ اور ہودؔ پوری دنیا پر چھائی ہوتی اور زار روس کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں بجتا سنائی دیتا، لیکن ایسا نہیں ہوا، اس لیے کہ قضاو قدر کا اصول یہی ہے کہ اذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميراً (ہم جب کسی ملک کو ہلاک و برباد کردینے کا فیصلہ کرلیتے ہیں تو ہمارے قانون کے مطابق اس کے مرفع الحال بے راہ رو لوگ فسق و فجور کی زندگی اختیار کرلیتے ہیں تو جب وہ ایسا کرنے لگتے ہیں تو ان پر ہمارا نوشتہ صادق آتا ہے اور ہم انہیں تہس نہس کردیتے ہیں)

اس قانون کے مطابق قوموں کی عزت و ذلت اور عروج و زوال کا دارومدار مادی ترقیات اور مالی ثروت پر نہیں بلکہ اخلاقی قوتوں پر ہے۔ اس اعتبار سے اگر ہمارے معاشرے میں مذکورہ عیوب و بداخلاقیاں پائی جاتی ہیں تو ان پر تعجب و حیرت کی گنجائش نہیں ـــــ لیکن جو چیز اس وقت تشویش و اضطراب کا باعث بن رہی ہے وہ یہ ہے کہ یہ اخلاقی اور معاشرتی بدعنوانیاں اب اس مرحلے کو چھو رہی ہیں کہ پوری قوم ان سے متاثر ہو رہی ہے اور دکھائی یوں دینے لگا ہے کہ قوم کے اجتماعی مزاج میں بگاڑ اس حد تک پیدا ہوچکا ہے کہ اگر اس وقت کسی مضبوط قوت نے ملت کا رُخ قتل و غارت گری، فسق و فجور، معصیت، ظلم و تعدی اور فحاشی و بے حیائی سے موڑ کر، اطاعت و فرمانبرداری، عدل و انصاف اور پاکبازی و پاکدامنی کی جانب نہ موڑ دیا تو ہم نوشتہ الٰہی کے مطابق اس غار میں اوندھے منہ گرا دیئے جائیں گے جس میں ہم سے پہلے بہت سی متمدن، مہذب برسر اقتدار، عروج و اقتدار سے بہرہ ور اور مادی ترقیات میں ہم سے کہیں فائق تر قومیں گرائی جاچکی ہیں اور اب ان کی حیثیت اس کے سوا کچھ

نہیں کہ ان کے نام اور اعمالِ بد عبرت و موعظت کے لیے سنائے جاتے ہیں۔

اس وقت جس صورت حال سے ہم دوچار ہیں، اخبار بین طبقہ اس سے ناواقف نہیں، جس ہولناک کثرت سے انسانی شہ رگ کا خون ہمارے شہروں میں بہایا جانے لگا ہے اس سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی کہ ہم درندگی اور بربریت میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایک انسان کی گردن کاٹنے اس کے پیٹ میں چھرا گھونپنے اور اس کے سینے میں گولی پیوست کرنے کی اہمیت اس سے زیادہ نہیں کہ کوئی کھلنڈرا، کسی جانور کو اپنے سامنے باندھ کر نشانہ بازی کرنے کی مشق کرنے لگے۔ بالفاظ صحیح انسانی جان کا احترام ختم ہو چکا ہے اور ہم میں سے ہر شخص وحشت زدہ اور مبتلائے خوف ہے۔

گاڑیوں اور بسوں میں ڈاکوؤں کی رفتار اتنی تیز ہو چکی ہے کہ ہر مسافر دوران سفر اس خطرے کو اپنے سر پر منڈلاتے دیکھتا ہے کہ کوئی افتاد نہ پڑ جائے اور بجائے اس کے زندہ وجود کے اس کی لاش اس کے گھر پہنچا دی جائے۔ گویا سفر ایک تو اس وجہ سے خطرناک ہو گیا ہے کہ سڑکوں کے حادثات ناگفتہ بہ حد تک تجاوز کر چکے ہیں اور دوسرے غارت گری کی وجہ سے۔ اغوا کی لعنت نے تو سکول کے بچوں سے نوجوان بیاہتا بیویوں تک کی جان اور عصمت دونوں کو پرخطر بنا دیا ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ کس سکول اور کالج کی بچیوں پر کس وقت کون سی مصیبت نازل ہو جائے اور کس بہو بیٹی کو غنڈے، سڑک اسٹیشن، موٹروں کے اڈے سے ہی نہیں، ان کے گھر کی چار دیواری سے اچک کر لے جائیں اور اس کے ورثا تا زندگی اپنے قلوب کو رستے ناسور کے حوالے کر دیں۔

قتل۔ ڈکیتی اور غنڈہ گردی کے اس مہیب ماحول میں ملاوٹ، خیانت اور بداخلاقی کے دوسرے عنوانات پر کسی بحث کی گنجائش نہیں اور قتل، ڈکیتی، غنڈہ گردی تنہا انہی تین جرائم نے شہروں اور قصبات و دیہات، سبھی جگہ کے شرفا کو اسیر کر رکھا ہے اور ہر کمزور کا دل اس تصوّر سے دھڑکنے لگتا ہے کہ نہ جانے راہ چلتے کوئی بدقماش اس سے کیا سلوک کرے اور اس کی جان و عزت پر کیا گذرے۔

نہیں، ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ آپ محسوس کریں گے کہ اب یہ خوف و ہراس صرف شرفاء اور کمزوروں پر ہی مسلط نہیں پچھلے چند ماہ میں جس تیز رفتاری سے ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کے واقعات رونما ہوئے ہیں ان کے بعد تو اب ہر زور آور، پارٹی باز، غنڈہ اور غنڈوں کے سرغنوں تک پر یہ ہول طاری ہو گیا ہے کہ کہیں کوئی سنسناتی ہوئی گولی اس کے سینہ میں پیوست نہ ہو جائے اور نہ جانے کس لمحے کوئی خنجر اس کی پیٹھ میں گھونپ دیا جائے۔

یہ وحشت انگیز ماحول یکایک پردۂ غیب سے منصۂ شہود پر ظاہر نہیں ہوا۔ بڑی دھیمی رفتار سے اس نے آغاز سفر کیا۔ جب اس نے دیکھا کہ محافظ غافل اور نشۂ مدہوش ہے تو اس نے قدم تیز کر دیئے۔ جب اسے محسوس ہوا کہ چار سُو ہُو کا عالم ہے اور راعی پر جا سبھی اپنے دھندوں میں معروف اس کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں تو یہ بدمست ہاتھی

کی طرح شور مچاتا اور چنگھاڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ ایسے ہی اس نے معاشرے اور اس کے رہنماؤں میں بہت کو اپنا سرپرست اور معاون بنایا۔ تو اب اس نے طوفان کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اور ٹھیک اس وقت جبکہ اس کی تباہ کاریوں کے خلاف اظہار اضطراب ہونے لگا ہے، اسی لئے ہمارے ہاں کے سینما ہالوں اور ٹی وی پروگراموں میں ہر روز لاکھوں انسانوں کو قتل، ڈکیتی، اغوا اور بدمعاشی کے ایسے ایسے گُر پردۂ سکرین پر عملی صورت میں دکھائے جا رہے ہیں کہ جن سے سینکڑوں افراد قتل کر کے پولیس اور پبلک دونوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں کامیاب ہو رہے ہیں۔ ہم اپنے کمتبوں، اپنی لائبریریوں اور اپنے اخبارات کے ذریعہ ہر صبح بے شمار ڈرامے، افسانے، قاتلوں کی کہانیوں اور "کامیاب غنڈوں" کی آپ بیتیاں اپنے ملک کے باشندوں تک پہنچا رہے ہیں، جن کو پڑھ کر وہ جرائم اور مظالم کے نئے نئے طریقوں سے آگاہ ہو رہے ہیں اور ان کی مشق میں بھی کامیاب ہو رہے ہیں۔ علاوہ بریں، ہمارے ہاں جو قانون رائج ہے جس نظام شہادت پر فصل خصومات کا بنیاد ہے، مقدمات کی پیروی کے لیے جو وکلاء پارٹ ادا کر رہے ہیں اور عدالتیں جس رفتار سے مقدمات کا فیصلہ کر پا رہی ہیں یہ سب عناصر مل جل کر ایسی فضا تیار کر رہے ہیں کہ مجرم سزا کے خوف سے بے نیاز ہو کر ارتکاب جرم کرے۔ ہر شریف آدمی عدالت کے کٹہرے میں شاہد کی حیثیت سے کھڑے ہونے سے گریز کرے اور جو کسراں عناصر جزا و سزا سے رہ جائے اسے رشوت و سفارش کا عفریت پوری کر دے۔

سوچئے! اگر قتل کے ایک مقدمے کا فیصلہ چار یا پانچ سال کے بعد ہو۔ چوری کے مقدمے کے فیصلے ہونے تک مسروقہ مال کی طبعی عمر ہی ختم ہو جائے۔ اغوا کے مقدمے میں اغوا کنندہ مستغیث کو اپنے وکیل کے ہاتھوں اتنا ذلیل کر دے کہ وہ آئندہ نسلوں کو بھی وصیت کرنے پر مجبور ہو جائے کہ کبھی بھی اغوا کی رپٹ نہ لکھوائی جائے تو اس کا انجام اس کے سوا کیا نکلے گا کہ یہ جرائم روز افزوں ترقی کریں اور معاشرے کے افراد دو حصوں میں منقسم ہو جائیں۔ ایک جانب خونخوار بھیڑیئے اور دوسری جانب مدافعت کی صلاحیت سے محروم بھیڑیں۔ اس کے برعکس اگر ہوتا یہ کہ:

الف ۔ ایسے مربی افراد، معاشرے میں موجود ہوتے جو اپنے قول و سیرت دونوں سے افرادِ معاشرہ کو یہ یقین دلا سکتے کہ اس ناپائیدار زندگی کے بعد نہ ختم ہونے والی زندگی شروع ہوگی اور اس کے اچھے بُرے ہونے کا تمام تر دارومدار اس دنیا کی چند روزہ زندگی کے درست اور نادرست ہونے پر ہے۔

ب ۔ حکمران وہ ہوتے ہیں جو مناصب اور عہدوں کے حریص نہ ہوتے اور ہر آن اس یقین سے سرشار ہوتے کہ وہ عوام و خواص کی جانوں ان کے اموال، ان کی عزتوں اور عصمتوں کے نگران ہوتے اور ان کی کامیابی و نامرادی کا مدار اسی پر ہے کہ وہ اپنے ذمہ عائد کیے گئے فرائض سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں۔

د ۔ عدلیہ اور انتظامیہ کا محور وہ قانون ہوتا جس کی رو سے قتل تک کے مقدمے کا فیصلہ چند گھنٹوں میں بھی ممکن ہوتا اور صورتِ حال یہ ہوتی کہ ادھر ایک یا چند اشخاص نے کسی کو قتل کیا۔ دوسرے لمحے ان پر مقدمہ چلا، شہادتیں

ہوئی۔ جج نے محنت شاقہ برداشت کی، مقدمے کے ہر پہلو پر غور کیا، فیصلہ صادر کیا اور جلاد نے بھرے مجمع میں قاتل کا سرتن سے جدا کر دیا۔ چور نے مال چرایا۔ ثبوت بہم پہنچا، پانچ یا دس ہزار کی جمعیت کے روبرو چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا زانی کو سزا وار قرار دے کر ہزاروں افراد کے سامنے سنگسار کر دیا گیا۔

خدارا بتلایئے! اس وقت آپ کی آنکھیں کس حقیقت کا مشاہدہ کریں؟ اس کا جسے ہم آج اپنے گرد و پیش رقص کرتا دیکھ رہے ہیں۔ یا دیکھنے والے یہ دیکھتے کہ ایک واقعہ سنگساری اور ایک سزائے قطع ید اور قصاص کے بعد مدتوں زنا، چوری اور قتل کی کوئی واردات دیکھنے یا سننے میں آئی ہی نہیں۔

ہم یقین بھرے دل سے کہتے ہیں کہ آج ہم جس صورت حال میں گرفتار ہیں، اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ۔

الف:۔ ایمان و یقین کی دعوت اور اصلاح اخلاق کی جدوجہد کا آغاز از سر نو اس انداز سے ہو کہ فسق و معصیت کے بادل چھٹ جائیں۔ قلوب اللہ علام الغیوب کی جانب مائل ہوں، اس سے ڈریں، دنیا کی لذتوں کے بالمقابل آخرت کی نعمتوں اور دنیا کی تکالیف سے بچنے پر آخرت کے عذاب سے محفوظ رہنے کو فیصلہ کن ترجیح دینے لگیں۔

ب:۔ حکمرانوں اور حکام کا نقطۂ نظر بدل دیا جائے۔ مغربی افکار نے جو تصور حکمرانی اور حکومت کے مناصب کا ہمیں دیا ہے اس سے دستکش ہو کر مناصب حکومت کو ذمہ داری، مسئولیت، خدمت خلق اور مملکت کی امانتوں سے عہدہ برآ ہونے کا ذریعہ سمجھیں اور یہ یقین کر لیں کہ ان کی نجات و فلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اپنے ذمہ تفویض کردہ امور و معاملات کو بخشندہ منصب خدائے ذوالجلال کی منشا کے مطابق انجام نہیں دیں گے۔

یہ دو تبدیلیاں ہمارے نزدیک کار اصلاح کا نقطۂ آغاز بھی ہیں اور جس تشویش انگیز صورت حال سے ہم دوچار ہیں اس سے نکلنے کا واحد ذریعہ بھی ——— مگر ہم تاسف و اندوہ کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اور سبھی کچھ ہو رہا ہے مگر یہی کام جس موثر انداز میں ہونا چاہیئے، نہیں ہو رہا۔

اللّٰھم وفقنا جمیعاً لما تحبہ وترضاہ۔

(عبدالقیوم حقانی)